

گھر کے ہر فرد کے لیے

کراچی

پاکستان

ماہنامہ

ستمبر 2019

بانی

معراج رسول

306 صفحات
قیمت 100 روپے

سحر ساجد کے ناول ”نار“ کا دلکش اختتام
پروین زبیر، ایسیل رضا اور شہینہ گل کی خوبصورت کہانیاں

پاکینہ

بانی : معراج رسول
 مدیرہ اعلیٰ : عذرا رسول
 مدیرہ : نزہت اصغر
 معاون : آمنہ حماد



رنگین پاکستانی پریس

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269

سرورق ماڈل: ہما اقبال

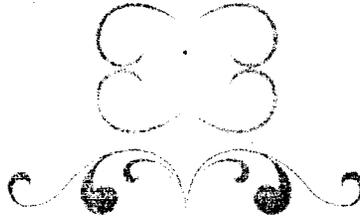
میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

قیمت فی پرچہ (پاکستان) 100 روپے

قیمت فی پرچہ (سعودی عرب) 12 ریال یا ساؤدی تحریک عرب الامارات

زر سالانہ (اندرون ملک) 1200 روپے جلد 47 شمارہ 06 ستمبر 2019ء



حمیرا تبسم 59

دیوانہ پرن

اداریہ

فرح بہنو 89

پریت کی پریت انوکھی

مدیرہ 15

مجھے کچھ بہنا ہے

عنبرین ابدال 103

تم کیا جانو؟

سلسلے وار ناول

طیبہ عنصر مغل 107

عشق کی بازی

میرا سارا رنگ انا رو افشاں آفریدی 20

نور عرش 144

حسن نظر

سحر ساجد 118

ہاجرہ ریحان 147

خاموش

ناولٹ

ایمل رضا 183

ایک فور ریڑھی

پروین زبیر 64

آخری بھرتی

عائشہ تنویر 220

نوحہ ڈال

ہم جیتوں گے سفیر ہیں نرہت جیس ضیا 192

خصوصی مضامین

مکمل ناول

ادارہ 18

سیکسٹھ سول

لاٹھ رعنا 152

محبت اور گناہ

اختر شجاعت 257

شعور ہدایت

شبینہ گل 224

قرض

شائستہ زریں 264

پاکیزہ کے مہمان

افسانے

نرہت اصغر 275

بھرتی انڈین کپال

بنت عبدالعزیز میٹو 53

پچھتاوا



مستقل عنوانات

ادارہ 295	بہتر غزلیں	16	ادارہ	دین کی باتیں
296	شگفتہ یاسمین	276	ادارہ	ہرگز شہ ظرافت
298	پاکیزہ بہنیں	278	مدیرہ	بہنوں کی محفل
ادارہ 300	روحانی شوق	288	عظمیٰ آفاق سعید	پاکیزہ ڈائری
302	ہومیو پیتھک	293	صغریٰ زیدی	میں اکثر گناہی ہوں

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.

Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200

Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



بیرون ممالک مقیم اردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصل کریں
تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com

urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہوگی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں [کلک](#) کریں



عزیز قارئین..... السلام علیکم!

محرم الحرام..... نئے اسلامی قمری سال ۱۴۴۱ھ کا پہلا مہینہ جو ہمیں اس عظیم ولا زوال قربانی کی یاد دلاتا ہے جس کے نتیجے میں آج پرچم اسلام سر بلند ہے اور رستی دنیا تک رسے گا ان شاکہ.....! حق و باطل کا معرکہ..... خیر و شر کی جنگ اور نیکی و بدی کا مقابلہ ازل سے چلا آ رہا ہے اور اس سب میں بفضلِ خدائے ذوالجلال ولا کرام فتح ہمیشہ حق و صداقت کی ہوئی اگرچہ حق کے پیرو کاروں کی تعداد ہمیشہ قلیل رہی مگر وقت نے ثابت کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور ہدف درست ہو تو ہر مشکل، مصیبت اور آفت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے..... اور یہ واقعہ کر بلانے ثابت کیا۔ مقصد عظیم اور آفاقی ہو تو طاغوتی قوتیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ آج اگر دنیا کے کسی گوشے میں اسلام کی سر بلندی اور اپنی مادری گیتی کی حفاظت کی خاطر مسلمان باطل سے برس پر پکارے ہیں تو فتح یقیناً ان کا مقدر ہے لیکن جذبہٴ اخلاص اور جذبہٴ ایثار و قربانی اس کی شرط اولین ہے۔ خدا کی خوشنودی کی خاطر اپنے جان، مال، اولاد کی قربانی دینا۔ سچے مجاہدین اسلام کا شیوہ ہے اس لیے کہ ایک راسخ مسلمان صرف دنیاوی مفادات نہیں بلکہ آخرت کی سرخروئی چاہتا ہے۔

آج دنیا بھر میں طاغوتی قوتوں اور استعماری طاقتوں کے خلاف جو مسلمان مزاحمت کر رہے ہیں چاہے وہ خطہٴ فلسطین ہو، چوچینیا، یمن، شام، برما، افغانستان ہو یا سب سے بڑھ کر کشمیر..... سب اسلام کے پرچم کی سر بلندی اور اپنی زمین کی حفاظت کی خاطر برس پر پکار رہے ہیں یقیناً ان کا مقدر ہے۔ ہمیں داسے، درے، سٹھے ان کی مدد ضرور کرنی چاہیے اس لیے کہ ظالم کا ظلم سہہ کر خاموش رہنے والے بھی اس ظلم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

اس ماہ بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کا یوم وفات بھی ہے اور ہمیں اس عظیم رہنما کے فرمودات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ آزادی قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے اور اپنے قول پر ثابت قدم رہ کر ہی استعماری طاقتوں کو زبردست کیا جاتا ہے۔

پروردگار عالم تمام ملتِ اسلامیہ کو حقیقی معنوں میں وہ شعور و جذبہٴ ایمانی عطا کرے جو مسلمانوں کی اصل پہچان اور شناخت ہے۔

مدیر

نزهت اصغر

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، یقیناً عالموں اور درویشوں میں سے ایسے لوگ کثرت سے ہیں، جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پس انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے۔ (۳۴) جس دن کہ اس (مال) کو (جہنم کی) آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی ٹپٹھیں داغی جائیں گی۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم اپنی ذات کے لیے جمع کرتے تھے۔ پس تم مزہ چکھو اس کا جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ (۳۵) یقیناً خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، خدا کی کتاب میں بارہ (ہی) مہینے ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی پکا دین ہے، پس تم ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ اور تم سب مل کر مشرکوں سے جنگ کرو۔ جس طرح وہ سب مل کر تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ (۳۶) ماسوا اس کے نہیں کہ (حرمت کے) مہینوں کو پیچھے کر لینا کفر میں ایک اور اضافہ ہے۔ جو لوگ کافر ہو گئے وہ اسی وجہ سے گمراہ ہوتے رہتے ہیں وہ ایک سال اسے حلال کرتے ہیں اور ایک سال اسے حرام کرتے ہیں تاکہ وہ ان مہینوں کی کنتی پوری کر لیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے پھر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اسے حلال کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے ان کے برے اعمال زینت دیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کی رہبری نہیں فرماتا۔ (۳۷) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) کوچ کرو۔ تو تم زمین پر جو بھل ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگانی پر راضی ہو گئے۔ پس (یاد رکھو کہ) آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگانی کا فائدہ نہیں ہے مگر تھوڑا..... (۳۸) اگر تم (بغرض جہاد) نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب سے محذب کرے گا۔ اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری، پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (۳۹) اگر تم نے اس (رسول) کی مدد نہ کی (تو کوئی پروا نہیں) یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کی اس وقت مدد کی ہے جبکہ ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے دو میں سے دوسرے کو نکالا تھا جبکہ یہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی کو کہتا تھا، غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس (اپنے رسول) پر تسکین اتاری، اور اس کی مدد ایسے لشکر سے کی، جسے تم نے نہیں دیکھا۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) نے کافروں کی بات کو پست کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ (۴۰)



سید معراج رسولؐ

ادارہ

معراج رسول..... ایک عہد ساز، ادب نواز، علم دوست شخصیت دنیائے ڈائجسٹ کی ایک انتہائی قد آور ہستی، جو آج مادی طور پر ہمارے درمیان نہیں..... مگر ان کے کارہائے نمایاں ہمیشہ ان کی یاد دلاتے رہیں گے..... ہمارے دیرینہ ساتھیوں نے معراج رسول کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انہیں زبردست خراج تحسین بھی پیش کیا اور اپنے پُر خلوص جذبات کچھ اس طرح رقم کیے ہیں۔

ایک دکھی بہن کی دوسری دکھی بہن کو تسلی.....

☆ عذرا آفتاب خان..... کراچی..... میری بہن عذرا رسول، السلام علیکم! یہ کیسا اتفاق ہے آپ بھی عذرا اور میں بھی عذرا..... نام ایک تو دکھ بھی ایک..... میری بہن عذرا..... یہ دکھ سے زیادہ درد کا سحر ہے جو صبر سے سہتا ہے۔ میں چونتیس سال سے اس سحر میں رہ رہی ہوں..... آپ کا دکھ تازہ ہے، میں جانتی ہوں کن صبر آزمائوں سے گزر رہی ہوں گی۔ کسی وقت یقین بالکل نہیں ہوتا ہوگا..... اور جب یقین دلایا جاتا ہے تو تنہائی کے سائے گھیر لیتے ہیں..... وقت رکنا نہیں، جو ساتھ اور جو رفاقت آپ نے اپنے ساتھی کے ساتھ گزاری یہ بہت قیمتی اثاثہ ہے۔ میں آپ کے اتنے بڑے نقصان کے لیے کیا تسلی دوں۔ اتنا ہی کہوں گی..... صبر اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ جانے والے اور جمل ضرور ہو جاتے ہیں، جاتے نہیں..... آپ کی تسلی کے لیے کہہ رہی ہوں جو میرا تجربہ بھی ہے۔ میں اس ضمن سفر سے گزرنے کے بعد اب زیادہ مضبوط ہوں..... برداشت بھی زیادہ بڑھ گئی ہے جو ساتھ قدرت نے چھوٹی عمر میں

زندگی کبھی کبھی انسان کو ایسے کرہنک حادثے سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا اپنی ذات اور ارد گرد کے لوگوں پر سے اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی وجہ بعض اوقات اس کی اپنی توقعات بھی ہوتی ہیں جو وہ کسی بے نام تعلق سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ جذبے جو رشتوں کے توسط سے دل میں بسیرا کریں ان کی پزیرائی تو مذہب اور معاشرہ دونوں کرتے ہیں، ان کی حق تلفی پر جواب طلبی بھی کی جاسکتی ہے مگر وہ دلی تعلق جنہیں رشتوں کی سند نہ حاصل ہو، انہیں کسی عدالت سے بھی سزا نہیں سنائی جاسکتی، سوائے ضمیر کی عدالت کے۔ جبکہ وہ رشتے جنہیں تعلق کا نام بھی دے دیا جائے کبھی کبھی وہ اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی جوابدہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا دار العمل ہے جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا... مگر جب حضرت انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے
خواب اب نہیں میرے، نیند تک پرانی ہے عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں
کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں

سلسلے وار ناول

میرا سارا رنگ اٹار دو

افشاں آفریدی





پچھتاوا

بنت عبدالعزیز میمن

”یہ لیں امی اس ماہ کی تنخواہ۔“ اویس نے ماں کو رقم تھماتے ہوئے کہا۔ امی نے پیسے ہاتھ میں لے کر گئے اور بیٹے کی طرف دیکھ کر بولیں۔
 ”یہ کیا تم تو کہہ رہے تھے کہ اس باریسٹھ تنخواہ بڑھا کر دے گا۔“

”ہاں امی کہا تو تھا پرنٹیشنری کے حالات بہت خراب چل رہے ہیں، نئے ورکروں کو فارغ کر رہے ہیں، مجھے کام کرتے ہوئے ابھی ایک سال ہی تو ہوا

آگیا۔ اور اس نے اولیس کو بلایا تھا۔

”خیریت؟“

”ہاں خیریت ہی ہے، میں نے بتایا تھا ناں اپنے کزن کے بارے میں تو وہ ملنا چاہتا ہے تجھ سے۔“

”اچھا ٹھیک ہے“ میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں.....“ اولیس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

اولیس ماں سے فیصل سے ملنے جانے کا کہہ کر اس کے گھر چلا گیا۔ طارق کی برسرِ پٹی دیکھ کر اولیس بہت متاثر ہوا تھا۔ سلام دعا کے بعد طارق گویا ہوا تھا۔

”مجھے فیصل نے بتایا تھا کہ تم باہر جا کر کام کرنا چاہتے ہو۔ سوچ لو بہت محنت کرنا پڑتی ہے، تم بھی باہر نہیں گئے، تم میں حوصلہ ہے، اپنے ملک سے اتنی دور غیروں میں جا کر کام کرنے کا؟“

”جی طارق بھائی، آپ بالکل بے فکر ہیں، میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ پوری لگن اور محنت سے کام کروں گا۔“

”ہم..... ٹھیک ہے، میں ایک بریننگ پریس میں مشین آپریٹر ہوں چونکہ ہمیں تجربہ بالکل نہیں ہے اس کام میں فی الحال میں ہیلپر کے طور پر وہاں جا ب دلا سکتا ہوں، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔“ طارق نے صاف بات کی۔

”ارے نہیں طارق بھائی، میں بالکل تیار ہوں۔“

”ٹھیک ہے پھر اپنے ڈاکو میٹس فیصل کو دے دینا۔ اور پاسپورٹ بنواؤں میں کچھ دنوں بعد چلا جاؤں گا واپس وہاں جا کر ان شاء اللہ کچھ دنوں میں تمہارا ویزا بھجوادوں گا تم اپنی تیاری مکمل رکھنا.....“

”بہت شکریہ بھائی آپ کا..... میں.....“ اولیس کچھ آگے کہتا طارق نے روک دیا۔

”بھئی تم میرے بھائی کے دوست ہو مجھے بھی اپنا دوست بننا چھوڑو کے گڈ لگ.....“

اولیس بہت خوش تھا پھر اب مسئلہ پاسپورٹ بنوانے کا تھا جس کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اور امی سے پیسے لگانا بہت مشکل کام تھا، بہت ہمت جمع کر

ہے۔ مجھے بھی ڈر ہے کہ کہیں فارغ ہی نہیں کر دیں۔“

”تو اولیس کتنی دفعہ تجھے کہہ چکی ہوں بیٹا کام دھندا یہاں صحیح نہیں چل رہا تو باہر چلا جا جتنی محنت یہاں کرتا ہے ناں وہاں کرے گا تو کم از کم فائدہ تو ہو گا۔ پانچ پانچ مہینے ہیں تیری، ان کی شادیاں کرنی ہیں پھر تیری بھی تو شادی کرنی ہے، تیرا یوزر حابا پ تو بس اتنا ہی کماتا ہے کہ جیسے تیسے کھانے پینے کا گزارہ ہو جاتا ہے، تجھے ہی سب کچھ کرنا ہے، اپنی ذتے داری سمجھ اچھا چل جانے ہاتھ دھو لے اب میں کھانا لگوانی ہوں.....“

اولیس، ماں، باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی پانچ بہنیں تھیں۔ اولیس اگرچہ سب سے بڑا تھا پر خالدہ چاہتی تھیں کہ پہلے لڑکیوں کی شادیاں ہو جائیں پھر لڑکے کی کر دیں کیا پتا بہو کے آنے کے بعد بیٹا اپنی ذتے داریوں سے پیچھے ہٹ جائے اسی لالچ میں وہ اپنے بیٹے کو اچھے سے اچھا کمانے پر افسانہ رہتی تھیں۔ وہ باہر جا کر کماتا نہیں چاہتا تھا اپنے گھر سے دور رہنا اسے بہت مشکل لگتا تھا۔ سو ہر بار امی سے ایک ہی بات سن، سن کر اس نے فیصلہ کر لیا کہ باہر جا کر ہی کمانا ٹھیک رہے گا اس طرح امی کی ڈانٹ ڈپٹ تو ختم ہوگی اور اس نے کوششیں شروع کر دیں۔

اولیس نے اپنے دوست فیصل سے باہر جانے کا ذکر کیا تو اس نے کہا۔ ”میرا کزن طارق دہی میں جا ب کرتا ہے ایک آدھ ہفتے میں وہ آنے والا ہے اگر کوئی دیکھنی ہوئی تو وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔“

”شکریہ یار.....“ اولیس نے شکر یہ ادا کیا۔

”ارے دوست ہو تم میرے، کوئی احسان نہیں کر رہا میں سمجھے..... غیروں والی باتیں کرو، دونوں بخلگیر ہوئے اور اولیس پر امید ہو کر گھر آگیا پر اس نے امی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا اگر بات نہ بنی تو امی تو پیچھے ہی پڑ جائیں گی اس لیے اس نے سوچا کہ جب کام ہو جائے گا تب ہی بتاؤں گا وہ بہت خوش ہوں گی۔“

☆☆☆

ایک ہی ہفتے بعد اولیس کے پاس فیصل کا فون

دیوانہ پن

مسیر تبسم



”تو کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟“ جاؤب نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور کچھ اس انداز میں پوچھا کہ شاید وہ دوبارہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لے اور امید کی کرن اسے تھما دے۔

لیکن وہ تسلیم تھی، اسے فیصلے پر ڈٹ جانے والی، معروف مصنفہ..... جس کی لکھی تحریریں لوگوں کے دلوں میں الجھل مچا دیتیں۔ وہ محبت کے موضوع پر لکھتی تو قلم روانی پکڑ لیتا، الفاظ اپنی قسمت پر ناز کرتے، محبت

دھیرے، دھیرے وفا کے رنگ ترطاس پر بیکھر دیتی۔
 ”میں اسے نہیں چھوڑ سکتی، اسے چھوڑنے کا
 تصور زہرین کے میری رگب جاں میں اترنے لگتا ہے،
 خاموشی، اوداسی میرے دل کی ٹکیں بننے لگتی ہے، جنہیں
 کیسے بتاؤں جاذب کہ وہ جس میری دعاؤں کا انہم حصہ
 ہے۔ اس نے مجھے جینا سکھایا اور تم مجھے پیچھے ہٹنے کا کہہ
 رہے ہو.....؟ وہ بھی تب جب وہ میرے جینے کی وجہ
 بن چکا ہے؟“

وہ مضبوط لہجے میں بولتی اپنا فیصلہ سنار ہی تھی۔
 اس کے ایک، ایک لفظ میں جاذب کو سچائی کی جھلک
 دکھائی دی۔ وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ وہ ٹوٹ جائے، بکھر
 جائے۔ شاید اسی لیے سمجھا رہا تھا پھر اس لیے بھی کہ وہ
 نیلم کی محبت میں گرفتار تھا لیکن وہ بے حسی کی حد کو
 چھوٹے پونجی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ اسے
 سنار ہی تھی۔ برا تو وہ بھی نہیں تھا، ساتھ تو اس نے بھی
 نیلم کا بہت دیا تھا لیکن محبت کی سندا عادل کو طے کی سین
 کرا سے سانس لینی مشکل ہو گئی تھی۔ اس لیے اس فیصلہ
 سننے وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ جو اس کے دل میں
 بستی تھی، اسے پانے کے خواب وہ چپکے، چپکے دیکھا
 کرتا۔ نیلم اس پر شکوہ کناں نگاہ ڈالے فیصلہ سنائے
 دونوں بازو سینے پر باندھے خاموش کھڑی تھی اور وہ
 اس کے پوچھے سوال پر تیر تیر ہوتا دکھائے پیکھر گیا تھا۔

”میں تمہیں کبھی اسے چھوڑنے کا نہ کہتا، بھلائے
 کو نہ کہتا، اگر تو وہ شادی شدہ نہ ہوتا۔“ اس کے لفظوں
 میں سچائی تھی، وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے
 اسے سمجھا رہا تھا۔

”محبت بس ہو جاتی ہے، اس پر کسی کا بس نہیں
 چلا، مجھے بھی ہو گئی، اس کی اچھائیوں سے، خوبیوں
 سے، محبت بھرے لہجے سے، مجھے اور کچھ نہیں معلوم، بس
 اتنا معلوم ہے کہ وہ میری محبت ہے۔“ نیلم نے احتجاج
 کیا، ویسے بھی وہ بہت ضدی تھی۔

”یعنی عام لفظوں میں محبت خود غرض ہوئی؟“
 جاذب نے زبردستی مسکراتے ہوئے اس پر چوٹ کی
 جبکہ اندر سے وہ ٹوٹ چکا تھا۔ خود کو سنبھالے بڑی

مشکل سے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، درد سا اور دھما جو
 اس کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔

”خود غرضی تو تم بھی کر رہے ہو، جاذب ابراہیم
 ، مجھے اس کے خلاف کر کے میرے قریب ہونے کی جو
 خواہش تمہارے اندر ہے وہ۔۔۔۔۔۔ نہیں ایک پل بھی چین
 نہیں لینے دے رہی۔“ وہ طنزیہ مسکرائی۔ اس کے خوب
 صورت چہرے پر پٹی کی لکیریں نمودار ہوئیں تو جاذب
 نے اسے آنسوؤں سے دیکھا اور تاسف میں بکھر گیا۔ وہ
 کزن تھا اس کا، دوست بھی تھا لیکن وہ تمام رشتے
 بھلائے اسے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔ اسے اپنی
 محبت سچی اور اس کی کھوکھلی دکھائی دے رہی تھی۔

”ٹھیک ہے، میں اپنی محبت سے دستبردار ہوتا
 ہوں۔ تمہاری خوشیوں میں شریک ہوں گا۔ محبت خوشیاں
 دیتی ہے، بھینتی نہیں ہے اور محبت خود غرض نہیں ہوتی۔“ وہ
 بشکل خود کو سنبھالے خشک ہوتے لیوں پر زبان پھیرتے
 ہوئے نیلم سے کہہ رہا تھا جبکہ اندر سے وہ بکھر رہا تھا ٹوٹ
 رہا تھا۔ لیکن اس کی سانوں میں اتر چکی تھی اور امید کا
 آخری جگنو بھی اپنی روشنی کوچکا تھا پھر بھی وہ سر جھکائے
 عاجزی سے بولتا اپنی محبت سے دستبردار ہونے کو تھا۔ نیلم
 کی خوشی کی خاطر وہ ہار مان گیا تھا۔

اس کی بات سن کے نیلم ہنسی، اس کی خوب
 صورت آنکھوں میں حیرانی سمٹ آئی۔ اس نے غور
 سے جاذب کا گللائی چہرہ دیکھا جس پر اب زردی گل
 گئی تھی۔ وہ تھکا، تھکا سا دکھائی دیا، اس کی حالت دیکھ
 کر نیلم کے دل کو کچھ ہوا لیکن جلد ہی اس نے اپنی
 حالت پر قابو پا لیا۔

”میں نے کبھی تمہیں دکھ دینے کا نہیں سوچا تھا۔
 میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں لیکن تم بخوبی جانتے ہو
 محبت یک طرفہ ہوتی سوائے سزا کے کچھ نہیں۔ امید کرنی
 ہوں خود کو سنبھال لو گے۔“

نیلم نے صفائی دینے کی ناکام کوشش کی۔ شاید
 اس طرح وہ نیلم کو بھول جائے لیکن وہ بہوت کھڑا اسے
 دیکھے گیا۔ موسم سردی کی چادر میں لپٹا ہوا خون ٹھنڈ کر
 دینے والا تھا۔ لیکن وہ ہر شے سے بے نیاز آخری نگاہ

آخری مہجرت

پروین زبیر

ہجرت کا سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ وہ انسانوں سے ان کی شناخت چھین لیتی ہے.... برصغیر میں تقسیم ہند اور پاکستان کا معرض وجود میں آنا اس خطے کے رہنے والوں کے لیے کچھ ایسی تبدیلیاں لایا کہ چودہ اگست انیس سو سینتالیس سے لے کر سولہ دسمبر انیس سو اکتھرتک کا وقت اہل دل پاکستانیوں کے لیے لہور لانے کا وقفہ بن کر رہ گیا... اگرچہ سب نہیں وہ لاکھوں لوگ جن کی نسلوں کے نصیب میں مہاجرت لکھ دی گئی تھی... جہاں بھی گئے ان کے لیے وہاں کی مٹی سخت اور زمین بنجر ہو گئی۔ نئی زمین میں کہیں ان کی جڑیں اتر نہ سکیں۔ لاکھ کوششوں کے باوجود وہ اور ان کی نسلیں شناخت کا پودا نہ لگا سکے اور اگر قسمت سے لگ گیا اور تھوڑا بہت پھلنے پھولنے کی کوشش کی تو باہر مخالف کے ایک ہی چھونکے نے انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ وہ ایک کے بعد دوسری، تیسری، یہاں تک کہ آخری ہجرت پر مجبور ہوتے چلے گئے۔

جدوجہد آزادی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ہجرتوں کے

تفطر میں کبھی گئی پروین زبیر کی ایک دل گداز داستان

کر انہوں نے اس کے کٹڑے بجائے۔ تاکہ دستک سن کر کوئی پھانگ کھولے اور وہ بھڑا کر اندر داخل ہو جائیں۔ لیکن کئی بار دستک دینے کے بعد بھی پھانگ نہیں کھلا تو انہوں نے کچھ صلاح کی اور کلباڑیوں کے دار کر کے اسے

چھت پر متعین لوگوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ دبے قدموں محتاط روی سے حویلی کی جانب بڑھ رہے ہیں، ان کی پیش قدمی حویلی کے مرکزی بڑے پھانگ کی طرف تھی۔ وہ بارہ، پندرہ کے قریب لوگ تھے۔ پھانگ پر پہنچ



توڑنے کی کوششیں کرنے لگے۔

پست کرنے کے بجائے اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچو..... اور اوپر والے سے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی دعائیں مانگو.....“ وہ ہاتھ میں توڑے دار بندوق پکڑے دروازے پر کھڑی تھیں۔ پھر چلائیں۔

”میرے ہوتے کسی کے ناپاک قدم اس دروازے سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لیکن اگر میں نہ رہوں تو تم سب کو میری قسم ہے کہ زندہ کسی ملعون کے ہاتھ نہ آتا..... اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے جان دے دینا..... پر رخصتا ہونے کے لیے زندہ ان کے ہاتھ نہ آتا۔“ وہ بھری ہوئی بندوق لیے برآمدے میں مسلسل ٹہل رہی تھیں اور کسی بھی بری گھڑی سے لڑنے کے لیے تیار تھیں۔ وہ جس خاندان کی بیٹی تھیں وہاں لڑکوں کے ساتھ، ساتھ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ انہیں گھڑ سواری، تیر اندازی اور ہتھیار چلانے کی تربیت بھی لازمی طور پر دی جاتی تھی۔ ان کی شادی پر بھینز میں اور چیزوں کے علاوہ دو توڑے دار بندوقیں، ان کا پسیندہ طمچہ اور گھوڑی بھی آئی تھی۔ ہتھیاروں کو بھی انہوں نے رنگ نہیں لگنے دیا تھا۔ وہ آج بھی اپنی پوری ہلاکت خیزی کے ساتھ ان کے ہاتھ میں تھے۔ اور دل میں پختہ ارادے کہ وہ کسی کو بری نیت سے اندر داخل ہونے نہیں دیں گی۔

ہتھیاروں کی بلند آوازوں سے اب دونوں طرف کے لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ ہی دیر میں ریاستی پولیس وہاں پہنچنے والی ہوگی۔ چنانچہ اب دشمن کی طرف سے ایک نئی چال چلی گئی۔ حویلی کی چھت پر موجود لڑنے والوں نے دیکھا کہ کوئی جلتا ہوا فلیٹہ تیز رفتاری سے بڑے پھانک کی طرف آیا اور اس سے ٹکرایا ایک شیش ٹوٹنے کے چھتا کے کی آواز آئی اور کلڑی کے بھاری بھر کم دروازے کو آگ لگ گئی۔

”وہ جیل اور پٹرول بھری ہوئی بوتلوں کو فلیٹہ لگا کر پھانک پر پھینک رہے ہیں تاکہ وہ جل کر ان کا راستہ کھول دے۔“ سطح اللہ نے تشویش زدہ آواز میں کہا۔

”فکر نہ کرو بھائی میاں..... میں اوپر سے پانی پھسکواتا

اب صبر محال تھا۔ اسد اللہ خان نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے بڑے بڑے کڑھاؤ میں ایلٹے ہوئے پانی سے بالٹیاں بھریں اور ہاتھ بڑھا کر نیچے الٹ دیں۔ دروازہ توڑنے والوں پر یہ افتاد پڑی تو وہ چیخیں مارتے ہوئے واپس دوڑے اور بدحواسی میں گرتے پڑتے اپنی کس گاہوں میں جا چھے۔ یہ پہلا وار تھا اور اس نے حملہ آوروں کو پاؤں کو پاؤں لگا دیا تھا کہ حویلی کے کلینن تو کمزور ہیں اور نہ ہی بے خبر.....

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ حویلی والوں کو اب ان کے اگلے وار کا انتظار تھا۔ اور کچھ ہی دیر میں یہ وار ہو گیا۔ ایک بندوق فائر ہوا۔ گہرے اندھیرے میں گولی اڑتی ہوئی چنگاری کی شکل میں جا کر پھانک سے ٹکرائی۔ دشمن ہر قیمت پر پھانک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اندر داخل ہوا جاسکے۔ ورنہ حویلی کی اونچی دیواروں کو پھلانگ کر اندر داخل ہونا تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ پھانک پر فائروں کا سلسلہ زور پکڑ گیا تو حویلی والوں پر لازم ہو گیا کہ وہ بھی کچھ جوابی فائر کریں۔ چنانچہ انہوں نے تاک کر اس جگہ کو نشانہ بنایا جہاں سے چنگاریوں کی شکل میں گولی نکلتی ہوئی دکھائی دیتی۔ یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور انہوں نے کئی چیخیں سنیں۔ یقیناً کچھ جہنم رسید ہوئے ہوں گے اور کچھ زخمی..... ہتھیار کم ہونے کے سبب بہت احتیاط سے اور سوچ کر فائر کیے جا رہے تھے تاکہ ہر گولی اپنے نشانے کو ہی چائے، ضائع نہ ہو..... لیکن اس کے باوجود یوں لگ رہا تھا کہ گھمسان کارن پڑ رہا ہے۔ دھماکوں کی آوازوں نے زمان خانے میں ایسی دہشت پھیلانی ہوئی تھی کہ وہاں سے رونے اور خوفزدہ چیخوں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ایسے میں جہاں آرائیگیم کی دینگ آواز گونجی۔

”بندر کو یہ رونا چننا..... برے وقت سے لڑنا نہیں آتا تو کم از خدا کو مدد کے لیے تو پکار سکتی ہو..... رونے چیخنے سے باہر لڑنے والوں کے حوصلے

پریت کی ریت انوکھی

فسحہ حبیبو



والوں نے بانی بند کر رکھا ہے۔“ اماں نے صحن میں ایک طرف لگے نلکے کو بند کر دیا تو ذیل کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔

”اماں ابھی تو دھونا شروع کیا تھا۔“ اس نے منہ

وہ ایک ہاتھ میں جھاڑواٹھائے دوسرے ہاتھ سے پائپ کو پکڑے شلوار کے پانچے چھانے زور شور سے صحن دھونے میں مشغول تھی۔

”ذیل بیٹا اب بس کر دو، پہلے ہی واٹر سپلائی

ہے؟“ زیمیل نے اپنی بڑی سی آنکھیں پھیلا کر کہا۔
 ”اچھا صفائی کی دیوی۔ مجھے تنگ مت کرو اور
 جلدی سے اپنا حلیہ درست کر لو چاچی لوگ پختے ہی
 ہوں گے۔“ ثمرہ نے غلٹ میں ہاتھ چلائے کہا تو زیمیل
 نے اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا جو پانی سے گیلے ہو کر جسم
 سے چپک رہے تھے۔ حلیہ درست کرنا تاگریر تھا سو وہ
 شرافت سے کچن سے نکل آئی۔ پھر کمرے میں آ کر
 الماری سے ایک جوڑا نکالا اور ہاتھ روم میں مٹھس گئی۔

☆☆☆

وہ نہا کر نکلی تو باہر سے آوازیں سنائی دے رہی
 تھیں۔ شاید وہ لوگ آگئے تھے۔ زیمیل بالوں میں برش
 پھیر کر باہر آگئی۔
 ”ارے میری شہزادی امیرے پاس۔“ چاچی
 جو برآمدے میں ثمرہ کو لپٹانے کھڑی تھیں زیمیل کو دیکھ
 کر بولیں۔

وہ آگے بڑھی تو پاس کھڑے چاچا نے سر پر ہاتھ
 رکھا اور پھر چاچی نے اسے زور سے لپٹا لیا۔
 اب چاچی کی دونوں ہانہوں میں یہ بہنیں لپٹی
 کھڑی تھیں۔

”ماشاء اللہ میری دھی رانیاں کتنی پیاری ہوتی
 جاری ہیں نجمہ.....“
 وہ اماں کو مخاطب کر کے بولیں تو ثمرہ کچھ شرمائی
 کہ شاہنواز بالکل سامنے کھڑا آنکھوں میں پیار لیے
 اسے دیکھ رہا تھا۔

دوسری طرف زیمیل نے کچھ بے چینی محسوس کی
 کہ پاس کھڑا شاہ زوار بھی نگاہوں کو اس پر فوکس کیے
 کھڑا تھا۔

”اللہ نصیب بھی پیارے کرے بیٹیوں کے۔“
 اماں نے بے اختیار کہا۔

”کیوں نہیں، ان شاء اللہ میری رانیاں کے
 نصیب آسمان پر تاروں کی طرح جگمگائیں گے۔“ چاچی
 نے پیار سے باری، باری دونوں کی پیشانی چومی۔
 ”آمین!“ اماں نے دل سے کہا۔

بسور کر احتجاج کیا۔
 ”تم دو گھنٹے بھی دھوئی رہو گی پھر بھی یہی کہو گی۔
 تمہارا دل دھلانیوں میں زیادہ لگتا ہے۔ گھر کے اور کام
 بھی تو ہیں۔“ اماں نے بیزار ہو کر اسے گھر کا۔
 ”مجھے نہیں پسند کھانا دانا پکانا..... خشک کام ہیں
 سارے۔ میں تو کپڑے دھونے اور صحن وغیرہ دھونے
 کے کام کر سکتی ہوں۔“ زیمیل نے باپ اور جھاڑو
 کو نے میں رکھ کر اپنے مزاج کے کام کوائے۔ اب وہ
 دائیہ کر رہی تھی۔

”ہاں تو سیدے سادے لفظوں میں کہو..... تم
 دھلائی میں ماہر ہو۔“ ثمرہ نے کچن کی کھڑکی سے سر
 نکال کر کہا تو زیمیل نے اسے گھور کر دیکھا۔
 ”بس مجھے پانی سے گھرا لگاؤ ہے۔“ زیمیل نے
 دھلے صحن کو دیکھتے ایک ادا سے کہا۔
 ”یہ پانی سے لگاؤ تمہیں لے نہ ڈو بے۔“ ثمرہ
 نے ڈرایا۔

”خدا نہ کرے ثمرہ جب بولنا اٹھائی بولنا۔“ اماں
 نے جھرجھری لے کر ڈانٹا تو ثمرہ نے منہ بنا کر کھڑکی
 سے سر اندر کر لیا۔

”چلو اب جا کر کچن میں بہن کا ہاتھ بناؤ۔“ اماں
 نے زیمیل سے رسوائیت سے کہا تو وہ منہ بناتی اندر کچن
 میں چلی آئی..... جہاں ثمرہ سندھی بریانی کا مسالا تیار
 کر رہی تھی۔

”واہ، خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔“ زیمیل نے
 لمبی سانس کھینچ کر کہا تو ثمرہ نے اچھتی نھراس پر ڈالی۔
 ”ہمراے مہرانی آپ اپنی شریف کانو کر باہر رکھیے۔“
 اس کے یوں کہنے پر چولھے پر دھرے دیپچوں
 کے ڈھکن اٹھائی زیمیل نے منہ پھلایا۔

”ہاں جی سسرالیوں کے لیے اہتمام ہو رہا ہے۔
 اب مہارانی ہمیں کہاں لفٹ کروائیں گی۔“ اس کی
 بات پر ثمرہ کے چہرے پر گلاب پھیل گیا۔

”تم کام کم اور گند زیادہ کرنی ہو۔ اسی لیے باہر جاؤ۔“
 ”گند اور میں؟ مجھ سا صفائی پسند نہیں دیکھا



تم کی جانو؟

عسبرین ابدال

”میری بات تو سنو عاتقہ..... ہلیز۔“ صبران نے اس کے ہاتھوں سے سوٹ چھینتے ہوئے لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔
 ”مجھے کچھ نہیں سننا..... جو کچھ سننا تھا سن چکی ہوں۔“ عاتقہ درشتی سے کہہ کر وراڈ روپ کی طرف بڑھی۔
 ”کم آن عاتقہ..... اٹ واز مانی پاسٹ، تمہیں کیا لینا دینا ہے میرے ماضی سے..... تمہیں مطلب میرے حال اور مستقبل سے ہونا چاہیے اور میرا حال

اور مستقبل تمہارا ہے صرف تمہارا۔“

”مجھے یہ سہانے خواب دکھانا بند کر دوں کیونکہ آپ میرے ساتھ مخلص ہوتے ناں تو خود ہی اپنے کرتوتوں سے مجھے آگاہ کر دیتے۔ وہ تو اچانک مجھے وہ چیزیں مل گئیں نہ میں تو مجھے تو پتا ہی نہیں چلتا۔“ عاتقہ نے اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کی۔

”عاتقہ پیلیز ہر مرد کی زندگی میں ایسی انجوائے منٹ تو ہوتی ہی ہے اور.....“

”جی نہیں ہمارے گمروں میں ایسا نہیں ہے۔“ عاتقہ نے اس کی بات کانٹی۔

”واقعی.....؟“ صبران ہنس دیا۔

”واقعی!“ عاتقہ نے زور دے کر کہا۔ اور سوٹ کیس بند کرنے لگی۔

”عاتقہ چھوڑ و ناں یاد کیوں دس سال پرانی باتوں کو ایسا بھنا کر اپنا گھر خراب کر رہی ہو، دیکھو گل سے کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔“ صبران نے اس کے تلخ حلیے کی طرف اشارہ کیا۔

”اور دیکھو بچے بھی الگ سے ڈسٹرب ہیں اور میں۔“ وہ اس کے سامنے جھکا۔

”مجھے کچھ نہیں پتا۔“ اس نے پیچھے ہٹ کر صبران کو گھورتے ہوئے کہا۔

”بی بی جی، وہ حرا بی بی آئی ہیں۔“ اس سے پہلے صبران کچھ اور جواب دیتا۔ ملازمہ نے آکر پیغام دیا۔ ”حرا بھابی یہاں؟“ صبران نے سوالیہ نظروں سے عاتقہ کو دیکھا۔

”تم نے تو کہیں.....؟“

”میں نے کسی سے بھی تمہارے کرتوتوں کے بارے میں بات نہیں کی۔“ عاتقہ نے دانت پیستے ہوئے کہا تو صبران ہنس دیا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔

”حرا بھابی آپ.....“ عاتقہ اپنا حلیہ ٹھیک کر کے لاؤنج میں آئی۔ جہاں حرا بچوں کے درمیان بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

”کیوں..... نہ آتی میں.....“ عاتقہ کو اس کی

مسکراہٹ نہ جانے کیوں عجیب سی لگی۔

”ارے نہیں، بھیا کے ساتھ آئی ہو؟“ وہ حرا کے ساتھ آ بیٹھی۔

”نہیں اسی کی آئی ہوں۔“

”آں ہاں آج تو ہمارے نصیب جاگ گئے۔“

بھابی شکر ہے آپ نے بھی آنے کا سوچ لیا۔ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ آپ مابدولت کے غریب خانے میں جلوہ افروز ہوئی ہیں۔“ صبران نے چمک کر کہا تو حرا شرمندہ ہو گئی۔

”اصل میں صبران بھابی نام نہیں ملتا، بس اسی لیے۔“

”سب ٹھیک ہے گھر میں.....“

”جی سب ٹھیک ہیں۔“

”انگل آپ نے وعدہ کیا تھا ناں کہ ہم آپ کے گھر آئیں گے تو آپ ہمیں ریٹورنڈ منٹ لے کر جائیں گے تو چلیں ناں اب..... فاتقہ کے ہتھیے فاتح نے صبران کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ تو سب بچے اس کے پیچھے پڑ گئے۔

”ارے بھئی بیٹھ تو جاؤ، آرام سے کچھ کھا پی کر چلیں گے۔“

”جی نہیں بابا یہاں کھائیں گے تو وہاں کیا کھائیں گے۔“ علی نے منہ بنا کر کہا۔ اور پھر بچہ پارٹی کے اصرار پر اسے اٹھانایا پڑا۔

”ایک منٹ عاتقہ میری بات سنتا.....“ صبران کے بلانے پر عاتقہ منہ بنا کر اس کے پیچھے کمرے میں آئی۔

”اپنی بھابی کے سامنے زیادہ رونے دھونے کی اور مظلوم بننے کی کوشش مت کرنا یا پھر ساتھ جانے کی ضرورت نہیں..... کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گا۔“ وہ اس کے چہرے پر آئی لٹ بٹھ کر بولا اور باہر نکل گیا۔

”اونہہ جانے نہیں دوں گا۔“ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر وہ تھے اور خلوط گھوم گئے جو



عشق کی بازی

طیبِ عنصرِ معسل

کھڑکی پر اترتی بارش کی بوندیں قطرہ، قطرہ سی سرشاری تھی جس نے جسم و جاں کا احاطہ کر لیا تھا۔ شازمہ کے اندر بھی اتر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آس کے جگنوؤں کی چمک دور چار دیواری کو روشن کرتے جگمگ فانوسوں کی روشنی کو مات کر رہی تھی۔ ہاتھوں سے اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا جیسے اس نے دل کی جلتریک پر محبت دم جم برس رہی تھی! اُک عجیب محبت و قربت کے کسی پہلو کو مجسم دیکھ لیا ہو۔

مڑ کر انگوٹھے سے شکر یہ کا اشارہ کرنا نہیں بھولا۔

☆☆☆

شازمہ یونی کے برآمدے کی میز چیموں پر کھڑی بارش کے قطروں سے کھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں میثم کو تلاش کر رہی تھیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دھیرے، دھیرے اپنی لیڈر جیکٹ پر سے بارش کے قطرے جھاڑتا وہ اسی طرف آ رہا تھا۔

شازمہ نے عقیلہ کی بیٹھ پر کھٹنے سے ہلکی سی ضرب لگائی تو وہ جو ٹوٹس بنانا میں سگن تھی بشکل اپنا توازن قائم رکھنے میں کامیاب ہو پائی اور سنبھلتے ہی مڑ کر شازمہ کو گھورا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں کار بیڈر کے آخری موڑ مڑتے میثم کو دیکھا۔

”دفع دور! اس عشق نے تمہاری مت ماردی ہے چگا دڑ، اب جو میں کر جاتی تو اس کا کیا؟“

”جب معلوم ہے کہ عشق کا معاملہ ہے تو اب یہ روی اٹھا کر شکل تم کیوں نہیں کرتی ہو۔“ شازمہ کی نظریں ہنوز میثم پر جچی تھیں جو اب کچھ دوستوں سے راستے میں ملنے میں مصروف تھا۔ زیر لب مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بھی شازمہ کی بے چینی سے باخبر ہے۔

”جا، نہیں جاتی شازمہ کی بچی، اب تم بھی مرد، میں بھی کباب میں بڑی والی ہڈی بنی رہوں گی۔“ عقیلہ نے اپنی آنکھوں کو گول گول گھمایا اور مزید جھیل کر بیٹھ گئی۔

”تو پھر مرد اور ہی پر دھیر، میں ہی ادھر سے جاری ہوں کیٹینین، وہ تو میرے پیچھے آئی جائے گا لیکن خبردار زمانے بھر کی جو میز سے تعاقب میں وہاں پہنچی تو میں تمہیں پکانکا دوں گی۔“ شازمہ بولتے، بولتے کیٹینین کی طرف بڑھ گئی۔

عقیلہ نے ہنسی دبا کر سرفائل میں کھسالی، تھوڑی دیر بعد بہر حال اس نے ہڈی پاؤں اڑنا تو تھا ہی پالی پیٹ کا سوال تھا۔

☆☆☆

میثم ماس کیو ٹیکیشن کے فائل ایئر میں تھا جبکہ شازمہ اس سے ایک سال پیچھے تھی۔ ان کی محبت تو اسی

☆☆☆

”میثم بیٹا پلیز آج کم از کم شادی کے فنکشن میں شریک ہو جانا، تم تو جانتے کیوں خاندان کے فنکشنز کو اس قدر نظر انداز کرتے ہو۔“ فاتزہ نے بیٹے کو محبت اور امید سے دیکھا اور چائے کا کپ اس کے سامنے ٹیبل پر دھر دیا۔

”امی آپ جانتی تو ہیں مجھے ان فضول رسموں سے بہت بوریت ہوتی ہے خواہ خواہ کا کھڑاگ خاموشی سے نکاح کریں اور بس!“

”ارے ایسے کیسے؟ صرف نکاح اور بس، غور سے سن لو یہ اعلان کر کے یہ مت سمجھنا کہ تمہاری شادی پر یہ فارمولا چلے گا۔ آخر کو میرے، تمہارے بابا اور زشنا کے بھی کچھ ارمان ہوں گے، یہ کھلی کہی کہ نکاح اور بس ختم نہیں یہ نہیں چلنے دوں گی کبھی۔“

”اوی اوی بات کدھر کی ہو رہی تھی اور آپ کدھر کو لے گئیں، اب میں اس شادی میں کس لیے روزانہ چل پڑتا بیگنی شادی میں عبداللہ دیوانہ والی بات ہو گئی یہ تو!“

”ارے سگے تایا کے بیٹے ہیں شاہ میر میرے، ان کی بیٹی کی شادی ہے، تم نے کیسے یہ کہہ دیا بیگنی شادی؟“ فاتزہ کے ماتھے کے بل بڑھے تو ارباز احمد کو مداعت ضروری لگی۔

”ارے بیگ صاحبہ! ابھی بچہ ہے سمجھ جائے گا۔“

”لیس جی شکر ہے آپ کی چپ کا بھی کفر ٹوٹا خدا، خدا کر کے، اسے سمجھا میں کل کلاں کو، ہم نہ رہے تو اسی کو بھگتنا ہوگا خاندان کی خوشی، جی تو کیا ایسا ہی کرے گا۔“

”ارے نہیں، بیٹی، نوجوانی میں ہم بھی ایسے ہی تھے، دیکھ لو اب تو پاپتے کا پتے بھی آپ کے سنگ، سنگ ہیں۔“ انہوں نے بیٹی کے ہاتھ پر نرمی سے ہاتھ پھیرا تو وہ بیٹے کی موجودگی کو محسوس کر کے لجا سی گئیں۔

”آپ بھی ناں...؟“

ارباز نے میثم کو آنکھ سے جانے کا اشارہ کیا تو اس نے ٹیبل سے بائیک کی چابی اٹھائی اور بولے سے اللہ حافظ کہہ کر یونیورسٹی کے لیے روانہ ہو گیا لیکن بابا کو

محراب

نار کہانی ہے محبت کی مگر اس میں آپ کو محبت ہوتی نظر نہ آئے گی... سمجھ نہ آئے گی گرسمجھ آگئی تو سلجھ نہ پائے گی...
نار کہانی ہے اک راز کی... اور راز اک چنگاری سے کم نہیں ایسی چنگاری جو سلگی تو بھڑکے گی گر بھڑکی تو... شاید دل بچیں گے نہ وجود...

نار کہانی ہے دو ناآسودہ لوگوں کی جو مردہ دلوں کو زندگی کی ڈور سے باندھے گھسیٹتے ہیں اور پھر خود ہی گھسنٹے چلے جاتے ہیں... زندگی کا تنفس برقرار رکھنے کی بدترین کوشش میں...
نار اک پہیلی ہے یا کسی کی سہیلی ہے مگر نار تو نار ہے... سہیلی کیسی؟

ایک چپ رہنے کے سب الام مجھ پر ہی نہ تھے
خاشی پر بھی تو تہمت لب کشا ہونے کی تھی
میں خود اپنی آگ ہی میں جل بجا تو یہ کھلا
شرط جلنے کی نہیں تھی کیا ہونے کی تھی

نار پڑھیے، لکھیے اور پھر سلجھائیے.....





حسین کی نظر

نور عرش

”اب میں کیا کروں؟ تمہیں تو پتا ہے کہ.....“
 ”ہاں مجھے پتا ہے، تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں کسی
 لڑکی کی آنکھیں غزالی لگتی ہیں تو کسی کے ہونٹ
 عنابی..... کسی کے بال سنہرے تو کسی کے گال گلابی.....“

”فاطمہ، ماہ روشن کو دیکھو کتنی پیاری لگ رہی ہے۔“
 ”افوہ عنابیہ! اب اگر تم نے میرے سامنے یہ جملہ
 ڈہرایا تاں کہ فلاں کو دیکھو تو میں نے تمہارے ساتھ نہیں
 بیٹھنا۔“ فاطمہ اس کی اس عادت سے تنگ آ چکی تھی۔

فاطمہ اس کی بات کاٹتے ہوئے چڑکریولی۔

”اور جبکہ تم جانتی ہو کہ میں ایسا کیوں کہتی ہوں..... اس کے باوجود میری بات کی نفی کرتی ہو۔“ وہ غصگی سے بولی۔

”بس پھر تو تم اس انتظار میں ہی رہنا کہ کبھی تمہارے خیالات کی تصدیق کی جائے گی۔“ فاطمہ چڑکریولی۔

وہ دونوں اس وقت کالج کے گراؤنڈ میں بیٹھی تھیں۔ دونوں کی بچپن کی دوستی تھی۔ اسکول کے بعد کالج میں بھی ساتھ تھیں۔ ایک دوسرے کی ہر عادت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ رسالے بھی دونوں نے ایک ساتھ ہی پڑھنے شروع کیے تھے۔ اور عنایہ کو ہمیشہ ہی شکوہ رہتا کہ رائٹر ہیروئن کو جس قدر حسین دکھائی ہے وہ اتنا حسن کہاں سے لائی ہے۔ فاطمہ اسے بتاتی کہ ہمیں یہ فکشن کہانی کی ضرورت ہے لیکن عنایہ اپنا ہی راگ الاپتی کہ ہر کہانی میں دھلے دھلائے چہرے والی معصوم اور بے حد حسین و جمیل لڑکی کہاں سے آجاتی ہے اور پھر عنایہ نے ایک نیا کام شروع کر دیا۔ اپنے کالج میں اس حسین چہرے کو تلاش کرنے لگی جسے دیکھتے ہی دل و دماغ گھٹیں کہ وہ کوئی اپہرا ہے۔

جس لڑکی کے بارے میں بھی عنایہ کو لگتا کہ وہ ناول کی ہیروئن بننے کے قابل ہے وہ فاطمہ کے سامنے اس کا ذکر خیر لے کر بیٹھ جاتی تاکہ فاطمہ بھی اس کی تعریف کرے اور عنایہ کے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ واقعی ایسے شاہکار زمین پر ہی پائے جاتے ہیں لیکن اسے بے حد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا جب فاطمہ کہتی۔

”ہاں ٹھیک ہے ناں..... پیاری ہے بس.....“
”میں پیاری کی نہیں، خوب صورت کی بات کر رہی ہوں۔“ عنایہ سچ کر بولتی۔

”پتا نہیں عنایہ! کب تم اس پکڑے گلوگی.....“
اور پھر عنایہ کو ڈھونڈنے پر بھی وہ شاہکار نزل پاتا جسے وہ حقیقی زندگی میں دیکھنے کی منتھی تھی۔ وہ ہر لڑکی کو دیکھ کر فاطمہ سے کہتی کہ ”دیکھو! یہ وہ ہے؟“ فاطمہ اس کی اس

غزل

ترک بادہ بھی نہیں کر سکتے
ہم ارادہ بھی نہیں کر سکتے
اس کو دینا ہے تسلی بھی کوئی
اور وعدہ بھی نہیں کر سکتے
اے زمیں یوں فلک ہم تجھ کو
استادہ بھی نہیں کر سکتے
کم تو کیا کرتے فتور دل کو
ہم زیادہ بھی نہیں کر سکتے
استعاروں پہ بھی پابندی ہے
بات سادہ بھی نہیں کر سکتے
دامنِ دشت ششاسانی علی
ہم کشادہ بھی نہیں کر سکتے

کلام: علی یاسر

مرسلہ: زہرہ حمید زار، کراچی

عادت سے سخت عاجز آچکی تھی۔

☆☆☆

آج پھر ان دونوں کے درمیان وہی بحث چھڑ چکی تھی۔

”ہیروئن کو نہ تو کچلا ہوتے ہیں نہ ہی ایکنی..... نہ اس کا رنگ دھوپ میں جل کر سیاہ ہوتا ہے نہ وہ زیادہ کھانے سے موٹی ہوتی ہے اور بال تو ہمیشہ ہی سلکی اور لمبے ہوتے ہیں۔“ عنایہ رسالہ پڑھتے ہوئے بڑبڑانے لگی تو فاطمہ نے اسے ٹوکا۔

”تو مطلب کہ تم ان سے مجلس ہوتی ہو؟“
”نہیں فاطمہ! تم جانتی ہو کہ میری بات کا مطلب کیا ہے۔ پارلر گئے بغیر اتنا زیادہ حسن وہ بھی بغیر کسی پریشانی کے..... تم مجھے بس یہ بتا دو کہ کیسے؟“
”نیا تم بالکل ہی باگل ہو، اب رائٹران مسائل کو لے کر بیٹھ جاتے تو کہانی تو گئی بھڑ میں ناں.....“



خاموشی

ہاجرہ ریحان

میں تو حیران ہی رہ گئی تھی جب ان کو وہ سب "شکایت" بچائے رکھتی..... اوپر سے ان کا اطمینان، کرتے دیکھا جو اگر میں اپنے ہی جیسے کسی دوسرے بچے کو کرتے دیکھتی تو شاید جھٹ سے جا کرا می سے اس کی شکایت لگا دیتی یا پھر کسی اور مناسب وقت کے لیے یہ سکون اور اناہاک مجھے اور بھی گزبڑا رہا تھا۔ "وہ کرو تو کچھ غلط ہی رہی ہیں۔" میں اتنا ہی سمجھ سکی تھی مگر غلط کرنے پر بھی ان کے چہرے پر رعب اپنی

جلہ ہما ہوا تھا..... وہ بڑی دلیری سے اپنی اس حرکت پر مجھے دیکھتے ہوئے پورے انہماک سے ایک، ایک بسکٹ کو باپ تول کر ٹشو میں لپیٹ رہی تھیں اور پھر وہ سارے ٹشو پیپر بسکٹ سمیت ان کے ہینڈ بیگ میں منتقل ہو گئے۔ اب ان کی شکایت میں کیسے لگاتی..... ہاں بچی ضرور تھی مگر بیوقوف نہیں..... جانتی تھی کہ اگر کسی کو کچھ ان کے بارے میں بتایا تو خود اپنی ہی شامت آئے گی۔

مگر شامت تو آئی تھی سو آگئی..... ظاہر ہے پلیٹ سے اچانک بسکٹ کے غائب ہونے پر سب..... سے بہرہ لاشک محفل میں موجود واحد بچی یعنی مجھ پر ہی جاتا تھا..... لہذا جب مجھ سے امی نے سر محفل پوچھا کہ میز پر بڑی سی پلیٹ سے بسکٹ کہاں گئے تو میں کچھ کہہ بھی تو نہیں سکی۔ میں نے ان کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ مگر وہ ایسے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو موڑے اپنے پالش زدہ خوب صورت ناخنوں کو ملاحظہ کرتی رہیں جیسے اس نظارے سے ان کو ذرا بھر بھی دلچسپی نہیں ہو..... اُدھر ان سے گواہی کی امید لگانا بھی تو میری مجبوری تھی کیونکہ اتفاق سے جب تمام مہمان، امی کے ساتھ گھر کے باغ میں امی کے لگائے گئے مختلف اقسام کے پودے، پھول بوٹے دیکھنے گئے تو پیچھے ڈرائنگ روم میں صرف میں اور وہ ہی رہ گئے تھے..... اور اسی تنہائی میں انہوں نے بہت ہی اطمینان اور دلیری سے تمام بسکٹ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھ لیے تھے..... اس لحاظ سے وہ گواہ تھیں۔ میری بے گناہی کی۔ امی نے دوسری بار مجھ سے پوچھا..... میں نے بڑی ہمت سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روادار بنا ڈالی۔ امی نے کن انگلیوں سے ان کی طرف دیکھا اور تراتر مجھے دو چار تپھڑوں سے نواز دیا..... میں اپنا سا منہ لے کر ڈرائنگ روم سے نکل آئی..... بچوں کی عزت نہ سہی..... غیرت ضرور ہوتی ہے۔ اب میری غیرت تو نہیں مان رہی تھی کہ میں واپس جا کر ان سب کے درمیان پھر سے بیٹھ جاؤں..... لہذا اس دعوت کی

رات جب گھر میں لنگر کے مانند کھانا لگایا گیا اور سب ہی سیر ہو کر گئے میں بھوکى سو گئی ویسے ہی جب انسان (چاہے وہ بیوہ ہی کیوں نہ ہو) کی عزت اور غیرت پر حملہ ہو تو اس کی بھوک پیاس بچتی بھی نہیں..... اور یہ قلق ایک بار پھر سے ان کی طرف سے ملنے کا پیغام وصول کر کے جاگ اٹھا تھا..... وہ کئی سالوں بعد پاکستان لوٹ آئی تھیں..... بقول میرے چچا زاد اور ان کے بھانجے جو ان کا پیغام لے کر آئے تھے کہ ان کے بچوں نے ان کی پیاری سے تنگ آ کر ان کو یہاں واپس بھیج دیا ہے..... وہ سردی برداشت کرنے کے لائق نہیں رہیں..... گرم ملک ہی ان کی صحت کے لیے بہتر ہے۔

”اور مجھ سے دور رہنا بھی ان کی صحت کے لیے بہتر ہے۔“ میں نے دل میں نفرت سے سوچا..... اب میں کوئی چھوٹی سی بچی نہیں رہی تھی..... کہیں کچھ سخت سنا بیٹھتی تو مجھے خود کو ہی ساری عمر دکھ رہتا۔ انہوں نے مجھے یاد بھی تو کچھ ایسی دی تھی کہ جب بھی یاد آتی ایک دم جیسے میرے ارد گرد سے گزرتا زمانہ ٹمٹم ہو جاتا اور میں ہوا میں تحلیل خود کو بے ڈول، بے وجود سا محسوس کرنے لگتی۔

ہمارے ہاں بچوں کی کردار سازی میں کچھ باتیں، کچھ اصول، کچھ روئے، ایسے بٹھادیے جاتے ہیں کہ اگر کبھی کچھ اس سے مختلف نظر آجائے تو بچے حیران پریشان کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ بچے اپنے بڑوں سے غیر اخلاقی تو فیغ رکھتے ہی نہیں۔ بڑے ہمیشہ سچے ہوتے ہیں، مظہد ہوتے ہیں، اپنے بڑوں کی عزت کرنا، ان کے سامنے نظریں نیچی رکھنا اور اور ان کے آگے زبان کو تاقا نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ ہم چھوٹوں کا فرض ہے..... مگر کبھی جب اپنے بڑوں میں کچھ غلط نظر آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سوال مجھے بچپن میں بہت ستا چکا تھا جبکہ اس سوال کا محرک خد کئی کوئی جانتا بھی نہ ہو کہ کوئی نادان معصوم اور سیدھی سی بچی صرف ان کی وجہ سے اپنا پورا بچپن

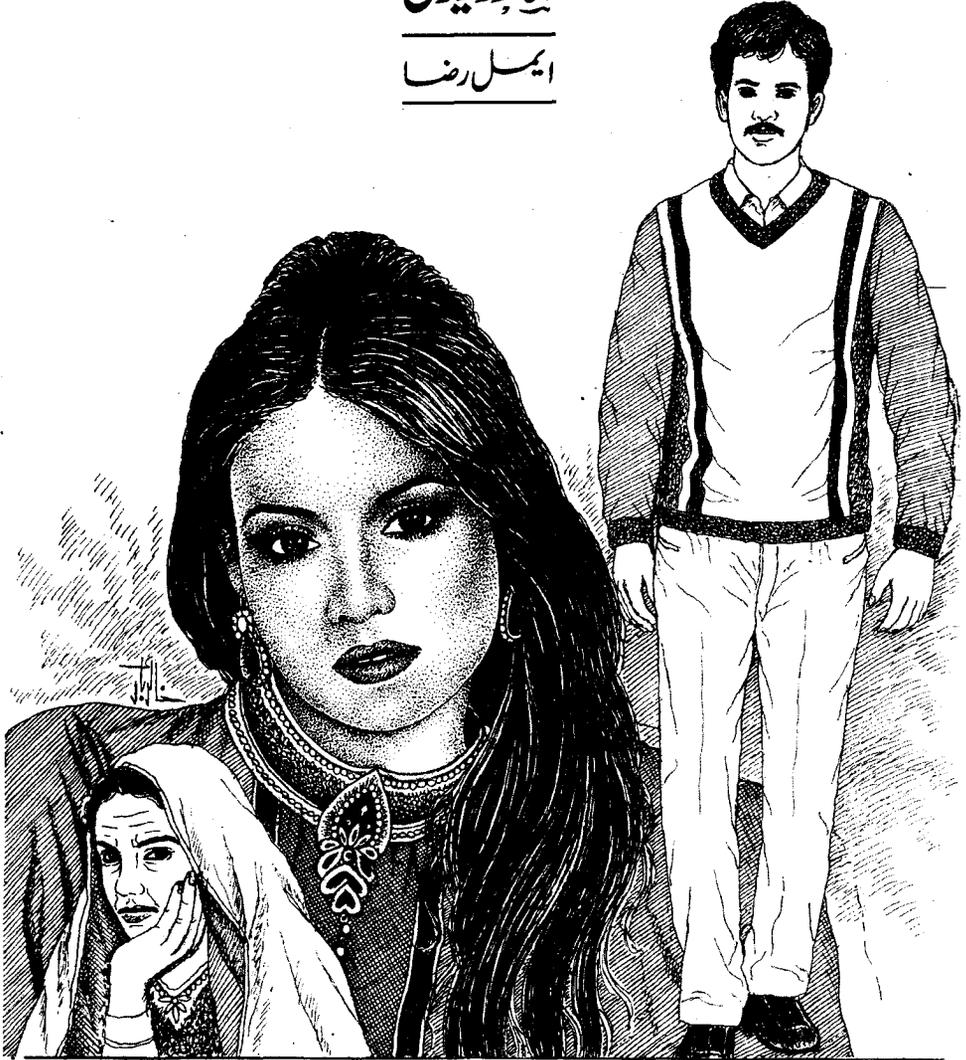
محبت اور گناہ
لائب رومنٹ



خوب صورت پھولوں اور تیز ہواؤں کے درمیان پہلی ساڑھی میں ملبوس وہ جنت سے اتری حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ ابر آلود آسمان تلے اپنے گھر کے وسیع اور پھولوں سے بھرے لان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹہکتی ہوئی احتشام کو وہ اپنے خوابوں کی اسپرہا لگ رہی تھی جسے وہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر پانا چاہتا تھا اور وہ اسے حاصل کر چکا تھا۔ وہ جو اپنا ایک چکر مکمل کر کے مزی تو ٹھنک کر ایک قدم پیچھے ہٹی اور نظر اٹھا کر دیکھا تو احتشام اس کے چہرے کو اس قدر غور سے دیکھ رہا تھا جیسے کبھی نہ دیکھا ہو۔ وہ اپنے آپ کو احتشام کی نظروں کے حصار میں پا کر اس قدر شرمائی کہ اس کا صبح چہرہ شرم سے لال ہو گیا اور نظریں اپنے آپ جھک گئیں۔ مگر اپنے کشادہ سینے پر ہاتھ باندھے۔ وائٹ پیٹ اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس احتشام کی نظریں اپنی خوب صورت بیوی

ایک انوریزمنٹ

ایسل رضا



صبح کی پُر نور روشنی اور مٹھی ٹھنڈک میں، نیلے....
 بے کراں آسمان تلے، کھٹی کے کھیت کے اطراف میں بنی
 پگڈنڈی پر وہ دونوں بنا ڈنگائے، دوگی چال چلتے ہوئے
 گاؤں میں داخل ہوئے تھے۔ پتا چاپ کیے، پتا آواز کیے،
 اس طرح سے کہ ان کے آنے کی خبر کسی کو نہیں ہوتی تھی۔ اور
 نہ ہی پھر جانے کی..... لیکن یہ تو بہت بعد کی بات تھی۔ کون
 جانتا تھا کہ اس گاؤں میں ان دونوں کی موجودگی سب کو کبھی
 کھٹکے گی۔ کیسے ان کی نیندیں حرام کرے گی۔ ان کے دل

ہم محبتوں کے سفیر ہیں

نزہت جسبیں ضیا



”پریزے سنائی نہیں دے رہا تم کو.....؟“ جاسر نے اس بار قدرے زور سے آواز نکالی تھی۔
 ”نہیں بھائی۔“ پریزے نے ابرو چڑھا کر شان بے نیازی سے اپنے سے دو سال بڑے بھائی کو دیکھا

”پریزے! میری بیک اٹھا کر دو۔“ جاسر نے دوسری بار اپنی پانچ سالہ بہن کو مخاطب کیا تھا مگر وہ سنی اسنی کرتے ہوئے اپنی گڑیا کے بال سنوارنے میں مصروف تھی۔

اور مطمئن لہجے میں جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں لگن ہو گئی۔

”پریرے..... تم بد تمیزی کر رہی ہو..... مہما سے شکایت کروں گا تمہاری، چھوٹی ہو کر میری بات نہیں مانتیں۔“ جاسر کو شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی تب ہی وہ بھڑک کر بولا۔

”مہما سے کیا شکایت کرو گے بھائی..... مہما تو خود پاپا کی بات نہیں مانتیں۔ وہ بھی تو یونہی بد تمیزی کرتی ہیں ناں..... پاپا جب بات کرتے ہیں تو مہما بھی تو جواب نہیں دیتیں..... پھر پاپا اٹھ کر اپنا کام خود کر لیتے ہیں، تم بھی اپنی بک خود ہی اٹھا لو ناں.....“ پریرے کی بات پر جاسر نے اسے بخور دیکھا۔

”مگر تم چھوٹی ہو اور میں بڑا۔“ کچھ نہ سوچتا تو ایک بار پھر اپنی بڑائی جھاڑی۔

”مہما بھی تو چھوٹی ہیں ناں..... سب کہتے ہیں میں مہما جیسی ہوں..... اس لیے میں مہما جیسی بنوں گی اور تم..... پاپا جیسے بنو بھائی..... اب تم مجھے بہت سارا ڈانٹتا اور پھر زور سے دروازہ بند کر کے باہر نکل جاؤ۔“

”مجھے اچھا نہیں لگتا، یہ سب جہالت لگتی ہے۔“ جاسر نے کہا۔

”یا اللہ!“ میں جو ظہر کی نماز کے لیے وضو کر کے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی بچوں کی آوازیں سن کر ڈرانگ روم کی طرف آگئی تاکہ ان کا جھگڑا ختم کر کے نماز ادا کروں مگر دروازے کے پاس آ کر میرے قدم

جم گئے۔ بچوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔ پہلی بار..... پہلی بار بیچے ایسی باتیں

کر رہے تھے یا شاید؟ پہلے بھی کرتے ہوں گے..... میں نے پہلی بار سنا تھا..... ننھے، ننھے

ذہنوں میں کیا پل رہا تھا؟ میرے بیچے کیسی باتیں کر رہے تھے؟ اتنی گہری اور سنجیدہ باتیں..... میں.....

نے سوچا جا کر دونوں کو ایک، ایک پھپر لگا دوں کہ کیا بکواس ہو رہی ہے؟ لیکن..... میرے قدم جھمکے گئے۔

ابھی ابھی بیچے اسکول سے آئے تھے اور آتے ہی حسب معمول جاسر بیک کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ کھانا میں تیار

کر چکی تھی۔ نماز پڑھنے تک بیچے چینیج کر کے فریش ہو جاتے پھر ہم کھانا کھاتے تھے۔ یہی روز کا معمول

تھا۔ آج..... آج ان دونوں کے منہ سے ایسی باتیں سن کر میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ میری پانچ

سالہ بیٹی نے مجھے بد تمیز اور سات سالہ بیٹے نے اپنے باپ کو جاہل کہہ دیا تھا۔ کیا..... یہ سچ تھا..... ان کے

ننھے، ننھے ذہنوں میں اپنے والدین کے لیے ایسے خیالات تھے..... ایسی سوچ رکھتے تھے وہ..... والدین

تو بچوں کے لیے آئیڈیل ہوتے ہیں..... اور ہم.....؟ میرے قدم من، من بھر کے ہو گئے تھے بمشکل

اپنے کمرے تک آئی..... بچوں کے سامنے جاتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ میرا دماغ نماز میں

بھی مسلسل بچوں کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ عجیب سی صورت حال کا شکار ہو کر بری طرح الجھ گئی تھی۔ آٹھ

سالہ شادی شدہ زندگی میں کئی بار عجیب و غریب کیفیات کا سامنا کرنا پڑا مگر آج..... آج..... میں جس کرب اور

اذیت سے دوچار ہوئی تھی وہ ناقابل بیان تھی۔

”مہما کھانا لگاؤں.....“ نماز سے فارغ ہوئی تھی کہ جاسر نے کمرے میں آ کر مجھے پکارا، میں سر ہلا کر

جائے نماز حلیف پر رکھ کر کچن کی طرف آگئی۔ بیچے بالکل نارمل انداز میں روٹین کی طرح آپس میں باتیں

کر رہے تھے۔ مجھ سے اسکول کی باتیں شیئر کر رہے تھے..... مگر..... میں تو ان دونوں کی باتوں میں

بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ کھانا بھی نہیں کھایا جا رہا تھا۔ بمشکل چند نوالے لیے تھے۔ بیچے حسب معمول کھانا کھا

کر اپنے روم میں سونے کے لیے چلے گئے۔ میں نے برتن کچن میں رکھے اور اپنے کمرے میں آگئی۔ بیڈ پر

لیٹی آج نیند کوسوں دور تھی جبکہ روزانہ لیتے ہی سوجاتی تھی مگر آج..... بے چینی بے قراری اور بے کئی سی پورے

وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ ہم میاں بیوی کے کشیدہ تعلقات ہمارے بچوں کو ذہنی خلفشار کا شکار کر رہے

تھے۔ ان کے ذہنوں پر منفی اثرات مرتب کر رہے تھے۔ ان کے لیے..... ہم خود ہی غلط ثابت ہو رہے تھے۔

نوحہ دل

عاشہ تنویر

”چاچو آگئے، چاچو آگئے۔“ چابی سے دروازہ کھول کر وہ ابھی لاؤنج تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ شور مچ گیا۔ فردا اور علی بھاگ کر باہر آئے تھے۔ ان کے ہنگامے پر شذرا، عمراور بھابی بھی کمرے سے نکل آئے۔ شدید حیرت کا شکار ہوتے احمد نے خیر سے اپنا دالہانا استقبال دیکھا۔ بھابی اور بیٹی بچے بچھتیاں اس سے بہت محبت کرتے تھے لیکن ایسا وی آئی پی پروٹوکول تو کبھی نہیں ملا تھا۔

”خیریت کیا ہوا؟“ اس نے صوفے پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”آپ ڈگر اور آکس کریم نہیں لائے؟“ شذرا نے اس کے خالی ہاتھ دیکھتے ہوئے صدمہ کی حالت میں پوچھا تھا۔ احمد نے اپنا سر پیٹ لیا۔ بڑے بھیا فاسٹ نوڈ کے شدید مخالف تھے۔ ان کا ایک ہفتے کا کاروباری دورہ بچوں نے ”فاسٹ نوڈ ویک“ کے طور پر منایا تھا۔ اس کے آکس کے پاس ایک مشہور فاسٹ نوڈ پوائنٹ تھا، جس سے آج اسے کھانا لانا تھا لیکن براہ یادداشت کا جو ساتھ چھوڑ گئی۔

”وہ، ایسا ہے بچوں کو....“ اس نے صفائی پیش کرنا چاہی لیکن عمر نے بات کاٹی۔

”کراہ ہم جا کر کھائیں گے، چلیں نکالیں گاڑی۔“
 ”نہیں بھئی، ابھی مجھے ایک گھنٹے میں عثمان کے پاس پہنچنا ہے۔ ایسا کرتا ہوں میں سے لا دیتا ہوں یا پھر تم لوگ جہاں سے دل چاہے آرڈر کرو۔“ اس نے گھبرا کر منع کرتے ہوئے آپشن پیش کیے۔

”آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔“ شذرا کی

آنکھوں سے نبرہ بنے گئے۔ اللہ جانے اس کی آنکھوں میں اتنا پانی کہاں سے آتا تھا لیکن جہاں سے بھی آتا۔ اس کا استعمال شذرا بخوبی کرتی۔ بھابی آرام سے ایک صوفے میں دھسی انہماک سے ان کا لائیو شو دیکھ رہی تھیں۔

”بھابی ماں، آپ ہی کچھ کریں۔ تھکا ہارا آکر بیٹھا ہوں، کسی نے پانی نہیں پوچھا اور رونا دھونا شروع۔“ اس نے بھابی کو دیکھ کر دہائی دی۔

لاڈ سے وہ انہیں بھابی ماں ہی کہتا۔ پندرہ سال پہلے ان کی شادی کے وقت وہ دس سال کا تھا۔ ان کا رشتہ بہت مضبوط تھا۔ اس کی دہائی پر عمر شرمندہ ہو کر فوراً پانی لینے گیا جبکہ بھابی اطمینان سے لوٹیں۔

”تم کل مجھے مسفرہ کے ہاں لے کر گئے تھے؟“ اس نے دانت کچکا کر دیکھا۔

”ہر دوسرے روز آپ جاتی ہیں یا وہ آ جاتی ہیں۔ کبھی ناغہ بھی ڈال لیتے ہیں۔“
 ”ہاں تو ایک دن میں اپنے بھائی کے جاتی ہوں اور ایک دن نند سے ملنے پھر تیسرے دن کرن سے، اسی طرح وہ بھی آتی ہے۔“ بھابی نے کرن ہونے اور ٹوٹے، ٹٹے کا فائدہ اٹھاتے وضاحت دی۔

”آپ لوگ اپنا مسئلہ سائنڈ پر کریں، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کبھی، کبھی تو ڈگر ملتا ہے، وہ بھی پسند کا نہ ہو۔“ شذرا نے نیکی آنکھوں سے دغل دیا۔ احمد کا دل اس کی بیچارگی پر پھل گیا۔

”پکا وعدہ میری گڑیا، کل لے آؤں گا۔ تم مجھے میج کر



قرض

شبینگل

”یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ خاتون نے
بہ شکل خود کو سنبھال کر سوال کیا۔ اُن کے سوال پر وہ
مسکرائی تو اُداسی آنکھوں سے اتر کر اس کے چہرے پر
پھیل گئی۔

”میں آپ کی بیٹی کے لیے اپنے شوہر کا رشتہ
لائی ہوں۔“ اس کے سامنے بیٹھے دونوں نفوس کو
زوردار جھٹکا لگا۔ بات ہی ایسی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ
مگر آنکھوں میں صدیوں کا درد تھا۔

بیٹھ کر اس کی بات سننے پر آمادہ ہو گئے۔

☆☆☆

اس کی انگلیاں برق رفتاری سے لپ ٹاپ پر حرکت کر رہی تھیں۔ ساتھ، ساتھ وہ گھڑی پر بھی نظر ڈالتی رہتی۔ اس کے پاس کچھ وقت مزید تھا کہ وہ کچھ اور اشتہارات پر کام کر لیتی۔ کچھ مضامین امی میل کرنے تھے، اس کے بعد اس نے اسپتال جانا تھا اور رات کے

کھانے کے بعد پھر سے کام کرنا تھا۔ وہ متعدد ویب سائٹس کے لیے مضامین اور تبصرے لکھنے کا کام کرتی تھی اور اس کے علاوہ گوگل پرائیونٹس کے کاروبار سے بھی منسلک تھی۔ نو سے پانچ والی کسی نوکری سے وہ اتنا نہیں کما

سکتی تھی جتنا گھر بیٹھے اپنی مرضی کے اوقات میں وہ اس کام سے کمائی تھی۔ وہ سافٹ ویئر انجینئر تھی نہ ہی اس نے کوئی ڈپلوما کر رکھا تھا بلکہ وہ انگریزی ادب میں ماسٹرز تھی اور کمپیوٹر میں محض دلچسپی رکھتی تھی۔ وقت اور حالات

اسے اس طرف لے آئے تھے جو نہ اس نے بھی گمان کیا تھا نہ ارادہ۔ وہ کم وقت میں بہت سا پیسہ کمانا چاہتی تھی۔ جب تک یہ ارادہ نہیں بنا تھا تو زندگی ہموار تھی لیکن اب اس کی زندگی کا پہلا متعدد لاکھوں روپے کا حصول تھا اور وہ کامیاب بھی تھی۔ ہر ماہ وہ اپنا پیسہ اکاؤنٹ چیک کرتی

اور پہلے سے زیادہ محنت کرتی۔ ایڈیٹس پر مزید پیسہ لگانی مزید کئی بین الاقوامی ویب سائٹس سے رابطے کرتی۔ کیونکہ وہ اب بھی اپنے ہدف سے بہت دور تھی۔ وقت کے ساتھ، ساتھ اسے مختلف بااثر شخصیات کے لیے تقاریر لکھنے کا کام بھی ملنے لگا جس کا اسے کافی خلیہ معاوضہ ملتا۔ اس کی جمع پونجی بڑھنے لگی۔

☆☆☆

”میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور اپنے اس جذبے کے سامنے بالکل بے بس ہوں۔“ وہ بے بسی بھرے لہجے میں بولا۔

”مگر میں تم سے محبت نہیں کرتی اور میں بھی اپنے اس جذبے کے سامنے بالکل بے بس ہوں۔“ وہ تینہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

”جی..... یہی سچ ہے۔“ خاتون نے نا سمجھی اور ابھرنے سے باز رہ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی صدمے کی کیفیت میں تھے۔

”مم..... مگر کیوں؟ کیا اولاد کی خاطر؟“ اس کے لیے ضبط کرنا محال ہوتا جا رہا تھا۔ لب سختی سے آپس میں پیوست کر کے اس نے سرنگی میں ہلایا اور پھنسی، پھنسی آواز میں بولی۔

”جی نہیں..... ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔“

”تو پھر؟“

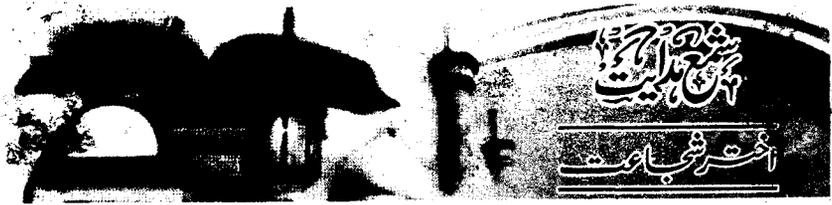
”بس یوں سمجھ لیں کہ کبھی یہ خواہش میرے شوہر کی تھی..... اور اب میری ہے۔“ وہ دونوں میاں بیوی ایک بار پھر الجھے۔

”دیکھیے پلیز مکمل کر بات کیجیے۔“ اس بات پر اس نے سر ہلایا اور اپنے بیک سے ایک تصویر نکال کر ان دونوں کے سامنے کر دی۔

”یہ ہیں میرے شوہر۔“ تصویر پر نظر پڑتے ہی ان دونوں کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔ خاتون کے شوہر کا چہرہ غیظ و غضب سے انگارہ ہو گیا۔ انہوں نے بند مٹھی زور سے پھیلی پر ماری اور بولے۔

”آپ..... آپ یہاں سے چلی جائیں..... ابھی اور اسی وقت..... یہ شخص..... یہ شخص..... دنیا کا آخری مرد بھی ہوا جب بھی میں اسے اپنی بیٹی دینے سے اس کا گلا گھونٹ کر مار دینا بہتر سمجھوں گا۔“ ان کے لہجے کا زہر اس کے اندر تک اتر گیا مگر اسے برا نہیں لگا کیونکہ وہ جن بجانب تھے۔ اس نے اٹھ کر دونوں کے ہاتھ تھام کر انہیں واپس صوفے پر بٹھایا اور محل سے بولی۔

”ایک بار غور سے اور محل سے میری پوری بات سن لیجیے اور اس سے پہلے اپنی بیٹی کو بھی یہاں بلوا لیجیے کیونکہ میں یہ ساری بات اس کے سامنے کرنا چاہوں گی۔ ہو سکتا ہے پوری بات سن کر آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔“ اس کے انداز میں کچھ تو ایسی بات تھی کہ وہ دونوں نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے



موت..... ملاقات الہی

اور بہترین زادراہِ تقویٰ ہے۔“ (سورہ بقرہ)
انسانی سفر کے اختتام کا نام موت ہے۔ ارشاد باری
تعالیٰ ہے: ”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔“ (سورہ
آل عمران)

تو موت سے کسی صورت فرار ممکن نہیں ہر شخص کو
اپنے خالق کی طرف واپس پلٹنا ہے تو پھر موت کو ہر لمحہ یاد
رکھنے کی ضرورت ہے..... تو جس شخص کو موت سے شکست
کھانی ہے جس کی آرام گاہ قبر ہوگی جہاں سانپ، بچھو اور
کیڑے مکوڑے ہوں گے جسے منکر نکیر کی ہم نشینی ملے
گی..... جس کا ٹھکانا جنت یا پھر دوزخ ہوگا اور اس کے
لیے مناسب ہے کہ وہ صرف موت کے متعلق سوچے۔
صرف موت، ذکر کرے اسی کے لیے تیاری کرے۔ زندگی
ہی میں اپنے نفس کو مردہ تصور کرنے لگے۔

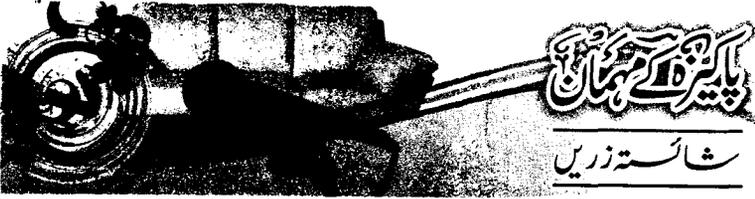
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
”مختل مندوہ ہے جو اپنے نفس کو دبائے اور موت کے بعد
کی زندگی کے لیے عمل کرے۔“

اس بات کو جاننا چاہیے کہ جو شخص دنیا میں گمن ہوتا ہے
اس کے فریب میں جلا ہوتا ہے و دنیاوی خواہشات کی لذت
میں غرق ہوتا ہے تو اس کا قلب قیمتی طور پر موت سے غافل
ہوتا ہے۔ سبھی اس کی زبان پر موت کا ذکر نہیں آتا۔ اگر کوئی
اس کے سامنے ذکر بھی کرے تو وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے
اور موت کے ذکر کو سخت ناپسند کرتا ہے..... ایسے ہی لوگوں
کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ.....

”آپ کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ
تم کو آپکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے (اللہ)

تمام تر حمد و ثنا اللہ عزوجل کے لیے جو عظیم ذخیرہ سبح و
بصیر ہے جو ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ تمام حمد
و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے ذکر سے قلب کو سکون ملتا
ہے۔ اور وہ دل ہی کیا جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ
دھڑکے..... وہ سانس ہی کیا جس میں رب کا ذکر نہ
ہو..... وہ آنکھ ہی کیا جو تیری محبت اور خوف سے نم نہ ہو۔ وہ
دماغ ہی کیا جو تیری ہدایات پر عمل، غور و فکر، تدبر اور نظر نہ
کر سکے..... اس علم کی حقیقت ہی کیا جو تیری الوہیت،
وحدت اور عبادت کا فہم نہ کرے۔ وہ ہاتھ ہی کیا جو تیرے
حضور دعا، تعریف اور توبہ استغفار کے لیے نہ اٹھیں۔ اور وہ
موت ہی کیا جو تیری راہ میں اور تیرے نام کے لیے نہ
آئے..... یہ فانی دنیا کی زندگی تیری امانت اور میری
آزمائش ہے۔ اے میرے رب! مجھے ہدایت دے کہ
تیری ہدایت کے بغیر یہ بندۂ فانی حراط مستقیم نہیں پاسکتا
مگر اہی میں بھٹکتا رہے گا۔ اے میرے رب! پیارے
آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور
ان کے اصحاب پر رحمت نازل فرما..... آمین

آج ہمارا موضوع موت اور اس کی حقیقت
ہے۔ دنیا ایک رنگ رگاہ ہے پوری زندگی ایک مسلسل سفر ہے
اور ہر انسان مسافر ہے اور چاروں تاجار زندگی کا سفر سب ہی
کو ملے کرتا ہے۔ ہر مسافر اپنے سفر کے لیے زادراہ کی فکر
کرتا ہے۔ کیونکہ بغیر زادراہ کے سفر کرنے والا طرح،
طرح کی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ اور بالا آخر اپنی
راہ کھوئی کرتا ہے۔ زندگی کے مسافر کو بھی زادراہ چاہیے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ..... ”زادراہ ساتھ لے لو



پاکیزہ مہمان

شائستہ زین



اپنے پیشے سے اور مخلص آسٹریلیا میں مقیم جنرل فزیشن کے

ڈاکٹر صفیٰ علوی

بننے پاکیزہ کے مہمان

ماہر سے بات کی جائے اور ہماری خوش قسمتی کے ڈاکٹر صفیٰ علوی نے اپنی مصروفیات سے بالخصوص پاکیزہ کے لیے وقت نکالا اور ہمیں اپنی معلومات سے پُر گفتگو سے مستفید کیا۔

عزیز قارئین! ہوں تو ہم مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ شخصیات بالخصوص فنکاروں کو مدعو کرتے رہتے ہیں مگر اس مرتبہ کچھ قارئین کی فرمائشیں بھی تھیں اور ہماری بھی کوشش تھی کہ طب کے شعبے سے وابستہ کسی